Lesson 5: Yusuf (Ayaat 88- 111): Day 19

سُوْرَۃُ یُوْسُف کی تفسیر

یوسفؑ چاہتے تھے کہ اُن کے باپ بھائی، بھائیوں کی فیملی سب ادھر آ جائیں۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان میں) کہا "میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں" ۔

اب قافلہ مصر سے چلا ہے۔ جس میں یوسفؑ کی قمیض آ رہی ہے۔ ابھی قافلہ چلا ہے، باپ کنعان میں ہیں اور باپ کو یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہو گئی۔ یہ قمیض برکت والی نہیں تھی۔ یہ قمیض ہی تھی جس کو دیکھ کے یوسفؑ کی آنکھیں گئیں تھیں۔ کوئی نبی، ولی ہو معجزہ صرف اللہ کی خوبی ہے۔ یہ نہ یعقوبؑ کی خوبی تھی، نہ یوسفؑ کی قمیض کی خوبی تھی۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ یوسفؑ جب کنوئیں میں تھے، پھر مصر پہنچے، جیل میں گئے، لیکن تب یعقوبؑ کو کوئی خوشبو نہیں آئی۔

ہر کام ہر معجزہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ مسجدِ نبوی میں خطبہ دے رہے تھے تو اُنہیں ملک شام کا منظر دکھا دیا گیا۔ عمرؓ آواز دے رہے ہیں کہ ساریہ پہاڑ کی طرف چلو اور ساریہ نے وہاں اُنکی آواز سُن لی۔ تو یہ اللہ کی مرضی ہے۔

اب باپ کے منہ سے یوسفؑ کا دوبارہ نام سُن کے گھر والوں کا رویہ دیکھیں

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

گھر کے لوگ بولے "خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں"

یہ جملہ کس نے کہا؟ بھائی تو ابھی مصر سے نکلے تھے۔ یہ بھائیوں کی بیویوں نے کہا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ جو بولی بیٹے اپنے والدین سے بولتے ہیں ایک وقت آتا ہے کہ بہوئیں بھی اُسی ٹون میں بات کرتی ہیں۔

فَلَمَّآ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰٮهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا‌ ۚ قَالَ اَلَمۡ اَقُلْ لَّـكُمۡ ‌ۚ ۙ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ پھر جب خوش خبری لانے والا آیا تو اس نے یوسفؑ کا قمیص یعقوبؑ کے منہ پر ڈال دیا اور یکا یک اس کی بینائی عود کر آئی تب اس نے کہا "میں تم سے کہتا نہ تھا؟ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوبؑ کے غم بھی دور کر دیئے۔ یہ وہ وقت تھا جس کا یعقوبؑ انتظار کر رہے تھے۔ اسکو Optimism کہتے ہیں۔ اتنے سخت حالات میں بھی یعقوبؑ نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے بچوں کو بتا دیا کہ میں تو آپ کو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ سب ہو گا اور ہوا بھی۔

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَـنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـئِيۡنَ‏ ﴿۹۷﴾

سب بول اٹھے "ابا جان، آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کریں، واقعی ہم خطا کار تھے"

پہلے یوسفؑ کے سامنے اقرارِ جرم کر کے آئے ہیں اور اب باپ کے سامنے کر رہے ہیں۔ دونوں کے ساتھ ماضی کا رویہ دیکھ لیں۔ تو پتہ چلا کہ جو گناہ کرتا ہے ایک وقت آتا ہے کہ وہ ہر طرف سے جھوٹا پڑتا ہے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٩٨﴾

اُس نے کہا" میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کروں گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے"

ایک صورت کیا تھی کہ باپ فوراً ہی دعا کر دیتے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ سَوْفَ کیوں کہا۔ اس کے بارے میں مختلف رائے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ بیٹوں کے لیے ابھی بھی دل میں رنج تھا۔ تو سوچا ہو گا کہ معاملات کو کھول کے دیکھ لوں پھر انہیں معاف کروں گا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ فوراً اُن کے سامنے مانگتے تو ہو سکتا وہ دَرد اور وہ زاری نہ ہوتی جو تہجد کے وقت اپنے بچے کے لیے دعا مانگتے ہوئے ہو سکتی ہے۔ اسی لیئےسَوْفَ کے لفظ میں کچھ لوگوں نے سحری کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کہا کہ میں ایک خاص وقت میں ایک خاص گھڑی میں جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسانوں کو پُکارتا ہے تو اُس وقت میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔

ایک تیسری وجہ اگر انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں تو یہ ہے کہ ماں دعا دینے میں بڑی سخی ہوتی ہے لیکن باپ دعا دینے میں تھوڑے سخت ہوتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ماں کی دعا کا اتناذکر نہیں ملتا، خدمت کا ملتا ہے، لیکن باپ کی دُعا کی بڑی اہمیت ہے۔ کیوں کہ وہ کبھی کبھی دیتا ہے تو بڑے دل سے دے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ باپ جنت کا دروازہ ہے۔ چاہو تو اسے رکھو، چاہو تو چھوڑ دو۔ تو باپ کی دعا بہت لگتی ہے۔ اس سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ اگر کوئی دعا کے لیے کہے تو بعد میں بھی کی جا سکتی ہے۔

ایک اور بات سمجھ آتی ہے کہ انسان جب لوگوں میں ہوتا ہے تو اللہ سے اُس طرح بات نہیں کر سکتا جس طرح تنہائی میں کرتا ہے۔ یہ جو ہم اجتمائی دعاؤں میں اتنا روتے، دھوتے ہیں اگر تو یہ نیچرل ہے تو ٹھیک ہے لیکن زبردستی ایسا کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ کچھ لوگ تو صرف اس لیے مشہور ہوتے ہیں کہ وہ دعا بڑی اچھی کرواتے ہیں۔ صحابہ نے کبھی نبیؐ کو نہیں کہا تھا کہ ہمارے لیے دعا کریں۔ سوائے چند ایک کے۔

حضرت عمرؓ حج پہ جا رہے تھے تو نبیؐ نے کہا کہ اپنے بھائی کو دعاؤں میں یاد رکھنا۔ غائبانہ دعا کی بڑی اہمیت ہے۔ آپ خود اُس کے لیے دعا کریں جو سامنے نہیں ہے۔ یہ انتہائی پسندیدہ عمل ہے۔ اپنے لیے خود دعا کریں۔ جو اپنے لیے نہیں مانگتا وہ دوسروں کے لیے بھی نہیں مانگتا۔ جس طرح حضرت یوسفؑ میں ہمیں بہت حِلم ملتا ہے اسی طرح یعقوبؑ کے اس جملے سے اُن کی عاجزی ملتی ہے۔ ہم دعائیں اور بددعائیں دینے میں بڑے جلد باز ہوتے ہیں۔ ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیٹوں کے اندر کچھ دیر احساسِ جُرم رہے۔ اگر کسی نے آپ کے ساتھ کچھ غلط کیا اور بعد میں احساس ہونے پہ معذرت کی تو کبھی فوراً نہ کہہ دیں کہ چلیں کوئی بات نہیں بلکہ اگلے کے منہ سے زیادہ بات سُنیں۔ اُنہیں غلطی کا احساس ہونے دیں۔

علماء کہتے ہیں کہ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کا دل صاف ہے تو دیکھیں آپ کے دل میں کسی کے لیئے کوئی کینہ تو نہیں، نفرت، حسد تو نہیں۔ اور اب یہاں لگ رہا ہے کہ بیٹوں کو احساس ہو رہا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بچے کی وجہ سے آپ کو بہت چوٹیں پڑتی ہیں لیکن بعد میں وہی بچہ بہت ساری خوشیوں کا باعث بھی بنتا ہے۔ اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ جس بچے یا بچی سے آپ کو دنیاوی حالات کی وجہ

سے تکلیف پہنچے تو بعد میں اُس سے آپکو دین کی بہت خوشیاں ملیں گی۔ شرط یہ ہے کہ اُس میں صبر اور تقویٰ ہو۔ اگر حالات ساتھ نہ دے رہے ہوں تو خیر کی اُمید رکھیں۔ ہمیشہ شر میں سے خیر لیں۔

دو مالی ہیں ایک گھاس کی بوٹی لگاتا ہے اور دوسرا بانس کے درخت۔ گھاس کچھ دنوں میں اُگ کے ہر طرف ہریالی کر دے گی اور بانس کا درخت ابھی پوری طرح نکلا بھی نہیں ہو گا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد گھاس سوکھ کے ختم ہو جائے گی لیکن بانس کتنی دیر تک فائدہ دے گا۔ کہیں فرنیچر میں استعمال ہو گا اور کہیں کسی اور چیز میں۔ تو کچھ چیزیں وقتی طور پر زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اُن سے خیر ملتی ہے۔

بات پھر وہی ہے کہ اللہ سے راضی رہیں۔ اپنے لیے چھوٹی سی عمل کی بات لے لیں کہ اگر ہم میں سے کسی نے اپنے ماں باپ کے ساتھ خوانِ یوسفؑ والا معاملہ کیا ہے تو فوراً سے پہلے معافی مانگ لیں۔ ایک شخص نبیؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے جوانی میں اپنے ماں باپ کو دُکھ دیا۔ تب مجھے سمجھ نہیں تھی لیکن اب سمجھ آئی تو میرے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں، اب میں کیا کروں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اُن کے لیے کثرت سے دعا کرو۔۔ اللہ قیامت کے دن اُنکو تم سے خوش کر دے گا۔ اگر ماں باپ کے معاملے میں کوئی کمی پیشی ہو گئی ہے تو دعاؤں سے اُسے پورا کریں۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے ماں باپ کے ذریعے سے دعا کریں کہ اللہ مجھے یہ چیز اس لیے دے کہ میرے ماں باپ خوش ہوں۔ یا یہ کہہ دیں کہ اُنکو یہ خوشی دکھا دے اور اُنکے فلاں غم سے بچا لے۔ جو لوگ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھے معاملات رکھتے ہیں تو اللہ اُنہیں دنیا میں بھی بہت دیتا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اُس نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھالیا اور (اپنے سب کنبے والوں سے) کہا" چلو، اب شہر میں چلو، اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے "

یوسفؑ کے ماں باپ جب اُن کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے اُنہیں اپنے پاس بٹھالیا۔ یہ ماں یوسفؑ کی سوتیلی ماں تھیں۔ جن کو کہتے ہیں کہ رشتے میں خالہ بھی تھی۔

وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا‌ ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِيۡلُ رُءۡيَاىَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّىۡ حَقًّا‌ ؕ وَقَدۡ اَحۡسَنَ بِىۡۤ اِذۡ اَخۡرَجَنِىۡ مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ‌ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ‌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾

(شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے یوسفؑ نے کہا "ابا جان، یہ تعبیر ہے میرے اُس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا اس کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے قید خانے سے نکالا، اور آپ لوگوں کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملایا حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے، بے شک وہ علیم اور حکیم ہے ۔

یہاں جس سجدہ کا ذکر ہے وہ سجدہ تعظیمی تھا۔ پہلی شریعتوں میں یہ جائز تھا۔ شریعتِ محمدی کے بعد چونکہ شریعت پوری ہو چکی تھی، توحید کا معاملہ بھی آخری درجے پہ پہنچ گیا۔ تو اب یہ سجدہ حرام ہے۔ اسلیے بڑوں کو دیکھ کر جُھکنا، پاؤں کو ہاتھ لگانا یہ سب جائز نہیں۔ تو کہاں قبروں پہ سجدے کرنا اور

بزرگوں سے مانگنا۔ یہ کھلم کھُلا شرک ہے۔ یوسف ؑ کہہ رہے ہیں کہ ابا جان میرا وہ خواب پورا ہو گیا۔ اُس خواب کا ذکر آیت چار میں تھا اور آیت سو(100) میں جا کے وہ پورا ہو رہا ہے۔ اور چالیس سال گزر چکے تھے۔ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا، میرے رب نے اسے پورا کر دیا۔ توحید میں ڈوبا ہوا جملہ ہے۔

اس جملے کو پڑھ کے یوسف ؑ کا اصل دیکھیں۔ اگر ہم ہوتے تو کس طرح بڑی بڑی باتیں کرتے۔ اس پورے جملے میں یوسف ؑ کے خواب کی سچائی کی بات ہے، اللہ کی تعریف ہے اور اُس نے مجھ پر احسان کیا، اسکا ذکر ہے۔ سوچیے، چالیس سال بعد باپ بیٹے کو مل رہے ہیں اور پہلا جملہ کیا ہے کہ اللہ نے میرے ساتھ بڑا ہی اچھا معاملہ کیا ہے۔

ہم ہوتے تو پہلے باپ کے گلے لگتے پھر روتے اور کہتے کہ ابا آپکو کیا بتاوں آپ کے بیٹے پہ کیا کیا نہ گذری۔ اور وہ کہہ رہے ہیں اَحۡسَنَ بِیۡۤ۔ یوسف ؑ کی زندگی میں اتنے اُتار چڑھاؤ ہیں لیکن وہ صرف بہتری کی بات کر رہے ہیں۔ بھائیوں کا کنوئیں میں پھینکنے کا ذکر نہیں کیا، جیل میں ڈالے جانے کا ذکر نہیں کیا۔

جن کی زندگی میں اللہ ہوتا ہے وہ شکوے نہیں کرتے۔ پوری سورۃ بندگی کا درس دیتی ہے۔ ناموافق حالات میں یوسف ؑ کا کردار تحمل، صبر والا تھا۔ ہم ہوتے تو یوسف ؑ کو کیسے ڈسکس کرتے 'ہائے بیچارہ یوسف، بے ماں کا بچہ، اس کے ساتھ کیا بن گیا' صرف باتیں ہیں۔ انگلش میں کہتے ہیں؛

Great mind discuss Ideas, average minds discuss events and small minds discuss people.

اور آج ہم مسلمانوں کا کلچر لوگوں کو ڈسکس کرنے والا ہو گیا ہے۔ اگر اس سورۃ کو پڑھ کے بھی ہم نے خود کو نہ پرکھا تو پھر کچھ نہ کیا۔ خود کو کبھی رعایت نہ دیں۔ دین کا کام کرنے والوں کے اندر اگر یہ اخلاق نہیں آئے گا تو دین نہیں پھیلے گا۔ اُن کی زندگی سے لوگ نکل جاتے ہیں۔ اُنہیں ہر وقت یہ فکر ہوتی ہے کہ میں نے اللہ کو کیسے خوش کرنا ہے۔

اللہ کے نبیؐ اپنی بیویوں کے پاس بیٹھے ہوتے تھے، نماز کا وقت ہوتا تھا تو ایسے اُٹھ کے چلے جاتے تھے کہ جیسے کبھی سوچا ہی نہ ہو۔ ہم نماز میں بھی لوگوں کو ہی سوچتے ہیں۔ یوسفؑ بڑے خوبصورت انداز میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ تمہیں جنگل سے نکلوا لایا۔ وِمِنۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ ؕ۔ یہاں سے شیطان کا ایک عمل پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگوں کو لڑاتا ہے۔

اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ۔ یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ کی صفت لَطِيۡفٌ بیان کی ہے۔ یہ بہت حکمت سے بھری ہوئی ہے۔ لطیف کا ایک مطلب لُطف و کرم کرنے والا ہوتا ہے اور ایک ہوتا ہے باریک بین۔ انتہائی چھپے ہوئے طریقوں سے مقصد کو پورا کرتا ہے۔ اور یوسفؑ کے ساتھ ہی ہو رہا ہے۔ یوسفؑ کے ساتھ جو اتنے اُتار چڑھاؤ آ رہے ہیں تو اللہ اپنے لطیف ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِىۡ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ اَنۡتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِىۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے رب، تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھایا زمین و آسمان کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا" ۔

اگر ہم اس دعا پہ غور کریں تو ہمیں دعا مانگنا آ جائے۔ یوسفؑ کو سب کچھ مل گیا۔ آپ کہہ سکتے ہیں روٹی کپڑا، مکان، بہن بھائی، ماں باپ، سب مل گئے۔ اب کیا چاہیئے؟ اب اللہ کا ساتھ چاہیئے۔ بالکل اسی سے ملتی جُلتی دعائیں اللہ کے نبیؐ نے اپنی وفات کے موقع پہ کی تھیں۔ آپ بستر مرگ پہ تھے اور دعائیں کر رہے تھے کہ اے اللہ اب مجھے اعلیٰ دوست سے ملنا ہے۔

یہ حضرت یوسفؑ کی زندگی کا آخری دور ہے۔ جب ایک ایمان والے کو زندگی کا سب کچھ مل جاتا ہے تو پھر اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ اب میں یہ سب دینے والے سے ملوں۔ اگر کوئی آپ کو بہت تحفے تحائف دے تو آپکا دل کرے گا کہ آپ اس دینے والے کو بھی ملیں۔ اور ان ساری چیزوں کا شکریہ ادا کروں۔ یہ کیفیت موت کے وقت ایک مومن کی ہوتی ہے۔ ساری زندگی کے دکھوں، تکلیفوں، بیماریوں، کو وہ اللہ کی طرف سے تحفہ سمجھتا ہے۔ مومن بُرے سے بُرے حالات کو بھی خیر سمجھتا ہے۔ پھر آخر میں اُس کا دل چاہتا ہے کہ اب میں کسی بھی طرح اللہ کو مل کے اُس کا شکر ادا کروں۔ حدیث میں آتا ہے کہ مومن کی موت سے خوبصورت چیز اس دنیا میں کوئی نہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ مومن کی روح اُچھلتی ہے، خوشیاں مناتی ہے۔ ایسے پانی کی طرح اُچھل کے نکل جاتی ہے کہ جیسے خوشبو کی بوتل کھلی رہ جائے تو تھوڑی دیر میں خوشبو اُڑ جاتی ہے اور بوتل خالی ہو جاتی ہے۔ مومن کا بُت دنیا میں رہ جاتا ہے اور روح خوشبو بن کے نکل جاتی ہے۔ جس سے اصل محبت ہوتی

ہے اُسکا ساتھ بڑا پیارا لگتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کا شوہر ملک سے باہر کمانے گیا ہے۔ اب ہر مہینے گفٹس بھی آ رہے ہیں، پیسے بھی آ رہے ہیں۔ وقت اچھا گزر رہا ہے لیکن دو چار سال بعد اگر شوہر خود گھر آئے تو بیوی کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ یہی حال مومن کا موت کے وقت ہوتا ہے۔ شرط ایک ہے کہ اللہ سے پیار ہو۔ آپ دنیا میں ماں باپ، بہن بھائیوں کے ساتھ خوش ہیں، موت کا وقت آگیا تو کوئی بات نہیں۔ سوچیں کہ چلیں اب اللہ سے ملاقات ہوگی، جنت کو دیکھیں گے، جو رشتہ دار دنیا سے چلے گئے اُن سے ملاقات ہو جائے گی۔

بس آپ آخری لمحہ تک اسلام پہ رہیں۔ اطاعت، بندگی، غلامی، اللہ کی ہو تو آپکو خوشی ملے گی۔

یوسفؑ اس وقت لوگوں کے لیے آئیڈیل تھے لیکن اُن کی نظریں اپنے رَب پہ لگی ہیں۔ جو سچے دل سے اللہ کی طرف آتا ہے اللہ لوگوں کے دلوں میں اُس کے لیے محبت ڈال دیتا ہے۔ لوگوں کی نظریں نیک لوگوں پہ ہوتی ہیں اور نیک لوگوں کی نظریں اللہ پہ ہوتی ہیں۔ یوسفؑ کو سب کچھ مل گیا تھا لیکن اُن کی نظریں کسی اور کی طرف تھیں۔ اسے قرآن نے کہا ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۔ اللہ ہمیں یہ دے۔ کسطرح بھائیوں کو شرمندگی سے بھی بچایا، اللہ کی بڑائی کا بھی اظہار کر دیا اور اپنے لیئے وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ نیک لوگوں کا ساتھ بھی مانگ لیا۔

یوسفؑ کی کہانی پوری ہوتی ہے لیکن ہم تھوڑی سی بات "یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کو شرمندہ نہ کرنا" اس پہ کریں گے۔ آپ اپنے اوپر لیجیئے۔ کسی کے ساتھ آپ کی اَن بَن ہوئی۔ انسانون میں رہتے ہوئے یہ ہو جاتا ہے۔ اب دو پارٹیز کا مقابلہ ہو تو ایک جیتے گا اور ایک ہارے گا۔ ایک خوش ہو گا اور ایک ناراض ہو گا۔ تیسری صورت کیا ہے کہ تم بھی جیتو، ہم بھی جیتیں۔ یہ صورت یوسفؑ کی تھی۔ دین کا کام کریں

اور لوگوں کو شرمندگی سے بچائیں۔ ہم جب مخالف کو شرمندہ کر دیتے ہیں تو اُس کی محبت سے ہار جاتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی کو طعنے دیں، شرمندہ کریں اور اُن سے محبت کی اُمید رکھیں۔ یوسفؑ نے بھائیوں کو معاف کر کے اُن کا پیار لیا۔ بہن بھائیوں سے پیار کے بدلے میں پیار لینا بہت آسان ہے لیکن کسی ایسے کا پیار لینا جس نے آپکو دُکھ دیئے، اصل اخلاق ہے۔ سب کے سامنے اُسکی تعریف کریں، پھر وہ خود آپ سے محبت کرنے لگے گا لیکن ہم ایسے وقتوں میں عموماً زبان سے بھی خالی اور اخلاق سے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو تو اپنوں کا بھی پیار نہیں ملتا۔

لیکن نبیؐ، یوسفؑ اور موسیٰؑ ان سب کو غیروں کا بھی پیار مل رہا ہے۔

دوسروں کا پیار لینے کے لیئے "تم بھی جیتو، ہم بھی جیتیں" والی پالیسی اپنائیں۔ دلوں کو صاف کریں، ہم دلوں میں گندی اُٹھا اُٹھا کے پھرتے ہیں نہ خود خوش رہتے ہیں نہ دوسروں کو خوش رہنے دیتے ہیں۔ بھائیوں کو شرمندہ نہیں کیا بلکہ کہہ رہے ہیں کوئی بات نہیں تم جاہل تھے۔

جہالت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک نادانی کی وجہ سے اور ایک خواہشات کے غلبے کی وجہ سے۔ بھائیوں کی نادانی والی جہالت نہیں تھی بلکہ خواہش کا غلبہ تھا اور وہ خواہش باپ کی محبت لینے کی تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ سارا معاملہ پہلے سے سوچا ہوا تھا۔ پہلی وحی کنوئیں میں کی تھی۔ اللہ کے نبیؐ پہ پہلی وحی غارِ حرا میں آئی، حضرت یوسفؑ پہ پہلی وحی کنوئیں میں آئی۔ آخری وحی کہاں آ رہی ہے۔ زندگی کے آخری دور میں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر یوسفؑ کو لمبی عمر بھی دی تھی۔ تقریباً سو سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ کہتے ہیں کہ جب یوسفؑ کے والد یعقوبؑ قافلے کے ساتھ ان کے پاس آئے تو 130 سال کے تھے۔ پھر سترہ سال تک مصر میں رہے۔

جب بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسفؑ سمیت انکی تعداد 68 تھی۔ جب تقریباً پانچ سو سال کے بعد وہ مصر سے نکلے تو لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ جب موسیٰؑ کے خروج کے بعد انکی مردم شماری کروائی تھی تو اُس وقت قابلِ جنگ مردوں کی تعداد 603560 تھی، عورتوں اور بچوں کو ملا لیں تو تقریباً 30، لاکھ تعداد تھی۔ کس طرح پانچ سو سالوں میں 68 لوگ اتنی بڑی تعداد میں ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ خاندان اپنی نسل سے نہیں اپنے اخلاق سے بڑھتا ہے۔ مصر میں 68 لوگ آئے تھے لیکن انہوں نے لوکل مصری لوگوں کو تبلیغ کی اور ان کی کوششوں سے چند سالوں میں یہ تعداد کئی سو گناہ بڑھ گئی۔ اگر اپنی نسلیں پیدا کرتے تو اتنے سالوں میں اتنے بچے پیدا نہ ہو سکتے۔

تو آج ہم مسلمان چاہے گنتی ہی کے کیوں نہ ہوں، اگر ہم اپنا کردار، اخلاق خوبصورت کر لیں تو بہت سارے لوگوں کو اسلام کا پیغام دے سکتے ہیں۔ لوگ دُلہن پہ سورۃ یوسف پھونکتے ہیں۔ اگر دُلہن کو تحفے میں اس کی ریکارڈنگ دے دی جائے کہ اس کو سُن لو تو اُس کو محسنہ بننا آجائے گا۔ پوری سورۃ میں آپ نے کہیں نہیں پڑھا کہ اسے دُلہن پہ پھونک دو، اور نہ ہی یہ پڑھا کہ اسے پریگننٹ عورت پڑھے تو بچہ خوبصورت پیدا ہو گا۔ اصل خوبصورتی کردار کی خوبصورتی ہے۔ ظاہری تو بُت ہیں۔ کچھ لوگ اتنے واجبی شکل وصورت کے ہوتے ہیں لیکن ہمارے دل میں رہتے یں، وجہ اُنکا خوبصورت کردار ہوتا ہے۔